بنک کا سود

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

سود ایک ایسا گناہ ہے۔ جس کی حرمت سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (پارہ ۳ آیت ۲۷۹ ۲۷۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر ایسا نہ کرو گے۔ تو اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ؟ مطلب واضح ہے کہ جو سود خوار ہے وہ مسلمان نہیں اور جو مسلمان ہے وہ سود خوار نہیں ہو سکتا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الربوا سبعون جزء ایسرھا ان ینکح الرجل امہ (ابن ماجہ بیہقی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود کے اگر ستر حصے کئے جائیں تو اس کا کمزور حصہ بھی (گناہ میں) اپنی ماں سے زنا کے برابر ہے۔

پھر اس کی حرمت اور گناہ کی شدت کا اندازہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے بھی لگا لیجئے۔

عن جابر قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل ربوا وموکلہ کاتبہ وشاھدیہ وقال مسلم لیہ سواء (مسلم)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، دینے والے اس کی دستاویز لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ سب لوگ (گناہ) میں برابر کے شریک ہیں۔

پھر یہ تصریح فرما دی کہ جس معاملے میں سود کا شائبہ تک بھی موجود ہو اسے چھوڑ دیا جائے۔ ایسے شدید احکام کے بعد ایک مسلمان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ سود اور اس کی تمام مشتبہ شکلوں سے پرہیز کرے۔

بنک انٹرسٹ اور کمرشل انٹرسٹ

سود فارسی زبان کا لفظ ہے اور اس کی ضد فارسی میں "زیان" ہے "سود زیان" نفع و نقصان کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی سود معنی فائدہ یا نفع ہے۔ اور یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے۔ عربی میں اس کے لئے ربوا اور انگریزی میں انٹرسٹ (Intrest) کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ کمرشل انٹرسٹ معنی تجارتی سود ہے مثلاً زید، بکر سے دس ہزار روپے لے کر کاروبار کرتا ہے۔ اور اس کے عوض وہ اسے مقررہ شرح سے نفع دینا طے

کرتا ہے۔ تو یہ تجارتی سود یا کمرشل انٹرسٹ ہے اور اگر یہی کام کسی فرد یا ادارہ کے بجائے بنک کرتا ہے۔ تو بنک انٹرسٹ کہلاتا ہے کمرشل انٹرسٹ بھی کہہ دیتے ہیں۔

گو ہم نے اوپر نہایت اختصار سے سود کی حرمت کے متعلق صرف ایک آیت اور حضور اکرمؐ کے ایک دو ارشاد مبارک درج کئے ہیں۔ تاہم یہ سود کی حرمت ثابت کرنے کے لئے بہت ہیں اور نیز یہ ثابت کرنے کے لئے بھی کافی ہیں کہ ان میں ربوا کا لفظ علی الاطلاق استعمال ہوا ہے جس سے سود کی کوئی بھی قسم مستثنیٰ قرار نہیں دی جا سکتی۔ لیکن اتنے واضح اور سخت احکام کے باوجود مسلمانوں میں سے ایک طبقہ تجارتی سود کی اباحت کے لئے کئی طرح کے حیلے بہانے تلاش کر کے دلائل پیش کر رہا ہے۔ آج ہم انہیں دلائل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

کہا یہ جاتا ہے کہ "ربا" ایسے سود کا نام ہے جو کوئی مقروض اپنی بھوک اور احتیاج دور کرنے کی غرض سے کسی مہاجن یا ساہو کار سے قرض لیتا ہے اور سود خور اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بھاری شرح سود پر معاملہ کر کے اس پر ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ رہا تجارتی سود تو عہد نبوی میں ایسے تجارتی قرضوں کا رواج ہی نہ تھا۔ عرب میں طوائف الملوکی' لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں وسائل سفر انتہائی محدود تھے۔ لہٰذا تجارت بھی برائے نام ہوتی تھی۔ اور جب تجارت ہی برائے نام ہو تو تجارتی قرضوں اور تجارتی سود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس کا وجود ثابت ہوتا ہے اندریں حالات دور حاضر کا بنک کا سود اس ربا کی تعریف میں کیوں کر آسکتا ہے۔ جسے قران کریم نے حرام قرار دیا ہے۔

مہاجنی سود اور بنک کے سود میں امتیازی فرق کے لئے عموماً درج ذیل نکات پیش کئے جاتے ہیں یا بالفاظ دیگر اس کی اباحت کے لئے درج ذیل دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ مہاجنی قرضہ میں مقروض خود مہاجن کے پاس جاکر قرضہ کی درخواست کرتا ہے جبکہ بنک انٹرسٹ کی صورت میں قرض دینے والا بنک کے پاس جا کر اپنی رقم پیش کرتا ہے کہ اسے کاروبار میں لگائے اور منافع میں سے اسے بھی "کچھ" دے دے۔ بنک اس قرض دہندہ کو ایک پہلے سے طے شدہ شرح سود ادا کرتا ہے۔

۲۔ صنعت کار یا تاجر جو بنک سے قرضہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ بسا اوقات بنک کو خود شرح سود کی پیش کش کرتا ہے۔ بنک کے اس لین دین میں کسی فریق کی مجبوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سب کام باہمی رضا مندی سے طے پاتے ہیں۔

۳۔ مہاجنی قرضہ میں شرح سود اتنی بلند ہوتی ہے کہ ایک ضرورت مند مفلس اس کا متحمل نہیں ہو سکتا جبکہ تجارتی سود پر تجارت میں نقصان کے احتمال کو سامنے رکھ کر مناسب شرح سود مقرر کی جاتی ہے جو نقصان کی صورت میں بھی قابل برداشت ہوتی ہے۔ لہٰذا انٹرسٹ میں مقروض پر کچھ ظلم نہیں ہوتا۔

۴۔ مہاجنی قرضے کی صورت میں مہاجن بعض دفعہ سود تو بجائے خود رہا' اصل بھی وصول نہیں

ہوتا جبکہ بنک انٹرسٹ میں بنک اپنے مفادات کا پورا تحفظ کر لیتا ہے۔ بنک زیورات، جنس، خام مال، دیگر اشیاء بطور زر رہن رکھ کر اس کا ساٹھ فیصد تک قرضہ دیتا ہے۔ اس طرح بنک بھی نقصان سے محفوظ رہتا ہے اور ظلم سے بچ جاتا ہے۔ رہے نادار لوگ تو بنک انہیں قرضہ دینے سے یکسر انکار کر دیتا ہے۔

۵۔ مہاجنی قرضہ میں نقصان کا پہلو نفع کی نسبت فی الواقع زیادہ ہے۔ کیونکہ اس میں ایک نادار پر ظلم ہوتا ہے۔ جبکہ بنک انٹرسٹ کی صورت میں فریقین سے ہر ایک کے لئے فائدہ تو یقینی ہے اور نقصان کا احتمال بھی کم رہ جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم کے اس اصول **واثمھما اکبر من نفعھما** (شراب اور جوئے سے متعلق) کے مطابق بھی بنک انٹرسٹ کو اس "ربا" سے مستثنیٰ قرار دیا جانا چاہئے جسے حرام قرار دیا گیا ہے۔

اور اس "استثناء" کی ضرورت یا اضطرار یہ بیان کیا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں تمام تر ملکی و غیر ملکی تجارت کا انحصار بنک کے سود پر ہے۔ لہٰذا عصر حاضر کا تقاضا یہ ہے کہ مندرجہ بالا وجوہات کے پیش نظر ربا کی تعریف میں اجتہاد کر کے مناسب ترمیم کی جانی چاہئے۔ تاکہ اسلام ہر زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دینے والا نظام ثابت ہو سکے۔

یہ ہیں وہ دلائل جن کے پیش نظر "ربا" کی تعریف میں مناسب ترمیم اور اجتہاد کی سفارش کی جاتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو مذکورہ بالا دلائل میں مندرجہ ذیل تنقیح طلب امور سامنے آتے ہیں۔

۱۔ کیا عہد نبوی میں عرب میں فی الواقع تجارت نہایت محدود تھی۔

۲۔ ان ایام میں تجارتی قرضوں یا تجارتی سود کا وجود ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

۳۔ کیا شرح سود کی کمی یا مناسب شرح حرمت سود پر اثر انداز ہو سکتی ہے کہ اسے اباحت کے قریب لے آئے۔

۴۔ کیا فریقین کی رضا مندی سود کو جائز بنا سکتی ہے؟

۵۔ کیا فی الواقع حرمت سود کی علت "ظلم" ہی ہے؟ اگر فریقین میں سے کسی پر بھی ظلم کا احتمال نہ ہو تو سود کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

۶۔ عصر حاضر کے تقاضوں کے تحت سود کی تعریف میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ اس کا نفع نقصان سے زیادہ ہے؟

اب ہم ان تنقیحات کو علی الترتیب زیر بحث لائیں گے۔

عہد نبوی میں تجارت

عرب ایک بے آب و گیا ملک ہے جس کا بہت تھوڑا رقبہ کاشت کے قابل ہے۔ اور جو کاشت کے قابل ہے اس پر بھی کم ہی توجہ دی جاتی تھی۔ کیونکہ شرفائے عرب زراعت کو کوئی مغزز پیشہ تصور نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح ہاتھ سے کام کرنے یا دست کاری کے کام کو بھی باعث عار سمجھتے تھے۔

عرب میں عام لوگوں کا پیشہ تو بھیڑ' بکریاں' گائے اور اونٹ پالنا تھا اور شرفائے عرب کا محبوب مشغلہ تجارت ہی تھا۔ البتہ یمن میں اون کاتنے' چادریں اور کمبل بننے کا کام بھی ہوتا تھا۔ عربوں کو چونکہ فنون سپہ گری سے گہری دلچسپی تھی' لہٰذا کہیں کہیں آلات جنگ بھی تیار کئے جاتے تھے۔

قیستا" اہل عرب کو اشیائے خورد و نوش اور دیگر ضروریات کا سامان باہر سے درآمد کرنا پڑتا تھا۔ بلاشبہ ان دنوں لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کا دور دورہ تھا اور کسی اکے دکے مسافر کا جان و مال محفوظ نہ تھا۔ مگر یہ تجارت عموما" قافلوں کی شکل میں ہوا کرتی تھی۔ قریش مکہ کا تو پاسبان حرم ہونے کی وجہ سے بھی احترام کیا جاتا تھا۔ دوسرے قافلے یا تو قریش مکہ کے اثر سے فائدہ اٹھاتے یا اپنی حفاظت کا سامان خود ساتھ لے کر چلتے تھے۔ غیر ملکی قافلوں کو بحفاظت گزارنے کے عوض ان سے ٹیکس بھی لیا جاتا تھا۔

لا یلف قریش الفهم رحلته الشتاء والصیف فلیعبدوا رب هذا البیت الذی اطعمهم من جوع و آمنهم من خوف (سورہ قریش ۱۰۶)

اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو' مانوس رکھنا ان کے سفر جاڑے میں اور گرمی میں۔ تو چاہئے کہ اس گھر کے رب کی بندگی کریں۔ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا

ہوتا یہ تھا کہ مکہ میں ہر طبقہ کے لوگ اپنا فروختنی سامان اس قافلہ کے حوالے کر دیتے' جسے وہ اچھے داموں بیچ کر ادھر سے سامان خرید لاتے تھے۔ اس طرح دوہری تجارت سے انہیں دگنا منافع حاصل ہوتا جو بسا اوقات ۵۰ فیصد تک پہنچ جاتا تھا۔ اہل مکہ کی خوشحالی کا دارومدار اس قافلے کی کامیابی پر منحصر ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بعثت سے پہلے مدینہ بصرہ اور شام کے متعدد تجارتی سفر کئے تھے۔

یہ قافلے کتنے بڑے ہوتے تھے؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابو سفیان کا وہ قافلہ تجارت -- جو جنگ بدر کا پیش خیمہ ثابت ہوا -- دو ہزار بار بردار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ کئی مورخوں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ درآمد برآمد کی کل تجارت ۵۰ لاکھ دینار سالانہ تک ہوتی تھی۔ دینار سونے کا ایک سکہ ہے جو ساڑھے چار ماشہ کے برابر ہے۔ گویا محتاط اندازہ کے مطابق بھی اگر دینار کی قیمت ۰۰ / ۶۰۰ تصور کر لی جائے تو گویا یہ تجارت ۳ ارب روپے سالانہ تک جا پہنچتی تھی۔

پھر یہ تجارتی قافلے قریش مکہ تک ہی محدود نہ تھے۔ یمنی تاجر مکہ اور مدینہ کے راستے شام تک جاتے تھے۔ مدینہ کے یہودی جو ایک سرمایہ دار قوم تھی۔ شام سے گندم اور شراب درآمد کرتے تھے۔ علاوہ ازیں غیر ملکی تاجروں کی بھی آمد و رفت رہتی تھی۔ ملک میں کئی جگہ بازار اور منڈیاں لگتیں' جہاں لوگ خرید و فروخت کے لئے جمع ہوتے تھے۔ سوداگروں کے قافلے ایران اور عراق سے تجارتی سامان لے کر آتے اور یہاں کی اشیاء اپنے ممالک میں لے جاتے۔ اس طرح یمن سے بحر ہند کے راستے ہندوستان سے عراق کے راستے سے مشرقی ممالک اور شام اور مصر کے راستے سے افریقہ سے

تجارتی ہوتی تھی۔ گویا عرب مشرق و مغرب میں بین الاقوامی منڈی بن گیا تھا۔ جس میں شہر مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

پھر احادیث میں تجارت کی جن اقسام کا ذکر ملتا ہے اور جن میں سے بیشتر آج بھی رائج ہیں۔ ان سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ کہ ان ایام میں عرب میں تجارت کا کاروبار عروج پر تھا۔ اور تجارت کے سلسلہ میں جو ہدایات اور احکام مسلمان کو دیئے گئے ہیں وہ آج بھی مشعل راہ کا کام دیتے ہیں۔ اور تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ متعدد صحابہ کرام تجارت کی ہی وجہ سے اس دور میں بھی لکھ پتی بن گئے تھے۔

اندریں حالات یہ مفروضہ-- کہ عہد نبوی میں تجارت نہایت پرخطر تھی لہٰذا برائے نام رہ گئی تھی۔ ایسا بے معنی مفروضہ ہے جس کی نہ تاریخ تائید کرتی ہے اور نہ ہی قرآن کریم۔

۲۔ تجارتی قرضے اور تجارتی سود: اس بحث کو ہم تین حصوں میں تقسیم کریں گے۔

۱۔ عہد نبوی میں اندرون عرب تجارتی قرضوں اور تجارتی سود کا وجود

۲۔ عہدی نبوی میں ہمسایہ ممالک میں تجارتی قرضے اور سود

۳۔ آیا ربا کا لفظ قرآن کریم یا لغوی اعتبار سے تجارتی سود کا بھی احاطہ کرتا ہے یا نہیں؟

۱۔ عرب میں تجارتی سود: عہد نبوی میں تجارتی قرضوں پر سود لینے کا رواج موجود تھا۔ جس کا ذکر تفاسیر میں ملتا ہے۔ صاحب تفسیر خازن آیت **وذروا ما بقی من الربوا** (۲ / ۲۸۷) کے تحت لکھتے ہیں۔

حضرت عباسؓ اور خالد بن ولیدؓ نے زمانہ جاہلیت میں شراکت کی تھی اور سودی کاروبار کرتے تھے۔ وہ قبیلہ بنو عمیر (جو قبیلہ ثقیف (طائف) سے تعلق رکھتا تھا) کے لوگوں کو کاروبار کے لئے سودی قرض دیتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان کی بہت بڑی رقم واجب الوصول تھی جو انہوں نے چھوڑ دی۔

اور اس بات کا اعلان خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں ان الفاظ میں فرمایا۔

"جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے ان کے خاندان کا سود یعنی عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں" (بہت سی کتب احادیث)

یہ واضح رہے کہ آیت بالا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف چار ماہ پیشتر نازل ہوئی تھی۔ گویا اس آیت کے نزول اور حجتہ الوداع کا زمانہ تقریباً ایک ہی تھا۔

جلیل القدر مفسر علامہ ابن جریر طبری (متوفی سنہ ۳۱۰ھ) اس آیت کی تفسیر میں یوں رقم طراز ہیں۔

کان ربا یتبایعون بہ فی الجاہلیۃ

یہ وہ سود تھا جس کے ساتھ جاہلیت میں لوگ خرید و فروخت کرتے تھے۔

۲۔ ہمسایہ ممالک میں تجارتی قرضے اور سود

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب زمانے میں قیصر روم جسٹینین نے جس کی وفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے صرف پانچ سال قبل ہوئی تھی۔ تمام بازنطینی سلطنت میں از روئے قانون زمینداروں اور کاشت کاروں کے قرضوں پر ۴ فیصد' تجارتی اور صنعتی قرضوں پر ۸ فیصد اور بحری تجارت کے قرضوں پر ۱۱ فیصد شرح سود مقرر کی تھی۔ یہ قانون جسٹینین کے بعد بھی ایک مدت تک بازنطینی سلطنت میں رائج رہا۔

روم کی سلطنت عرب کی ہمسایہ مملکت تھی۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ یہاں تجارتی سود اپنی تمام شکلوں میں رائج تھا۔ اسی طرح دیگر ممالک میں بھی تجارتی سود کے شواہد مل جاتے ہیں۔ جو بوجہ طوالت چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ یہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ آس پاس کے ملکوں سے اہل عرب کے گہرے تجارتی روابط اور میل جول تھا۔ اندریں حالات یہ تصور کرنا ناممکن ہے کہ اہل عرب تجارتی سود سے ناواقف ہوں۔

اگر ہم بفرض محال تجارتی سود کے حامیوں کے خیال کے مطابق یہ فرض کر بھی لیں کہ اہل عرب اس دور میں تجارتی سود سے ناآشنا تھے۔ تو بھی اس سے سود کی اباحت کے متعلق کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ ایک طرف تو ہم یہ دعوے کرتے ہیں کہ اسلام کے احکام ابدی اور تمام دنیا کے لئے ہیں۔ دوسری طرف ہم صرف عرب کے ایک مخصوص دور پر نظر رکھ کر سود کے احکام کو صرف اس دور اور اس علاقے تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ (اگر عرب میں نہیں تو) ہمسایہ ملک میں کس کس قسم کا سود رائج ہے یا آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے؟ کیا یہی علم و حکمت خداوندی ہے؟ سود کے بہ باطلاق خدائی احکام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سود کی تمام مشتبہ شکلوں سے پرہیز کو لازم قرار دینا کیا اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ سود کی کوئی بھی شکل کسی بھی دور میں حلال قرار نہیں دی جا سکتی؟

۳۔ تجارتی سود کی حرمت قرآن کریم سے

اسلام نے تجارتی اور شخصی قرضوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو ضرور اس کی وضاحت کر دی جاتی۔ اس کی نگاہ میں اصل سے ایک مقررہ شرح کے مطابق جو کچھ بھی زائد لیا جائے اور س طرح بھی لیا جائے وہ "ربا" ہی ہے۔ ربا کے لغوی معنی بھی اس مخصوص اضافہ کے ہیں جو اصل سے زائد لیا جاتا ہے اور شخصی اور تجارتی قرضوں میں فرق کرنا گویا۔

التومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض (۲ / ۸۵)

کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر تو ایمان لاتے ہو اور کچھ کا انکار کر دیتے ہو۔

کے مترادف ہے۔ ربا کو مہاجنی قرضہ سے مختص کرنا اور سود کا الگ الگ مفہوم مقرر کرنا موجودہ دور کا اختراع ہے۔ جس کا مسلمانوں کی طویل تاریخ میں کہیں سراغ نہیں ملتا۔

تجارتی سود کے متعلق الگ احکام یا الگ لغت کی ضرورت اس لئے پیش نہ آئی کہ اسلام تجارتی

قرضوں اور سود کی الگ نوعیت کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ سود کے احکام ہر قسم کے قرضوں پر منطبق ہوتے ہیں۔ ان احکامات میں جہاں شخصی حاجات کے سود کی حرمت کا پتہ چلتا ہے وہاں تجارتی سود کی حرمت پر بھی واضح دلائل موجود ہیں۔ مثلاً

پہلی دلیل:

خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔

واحل اللہ البیع وحرم الربوا (۲/۲۵۵)

اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

یہاں خرید و فروخت یا تجارت کے مقابلے میں لفظ "ربا" کا استعمال تجارتی سود کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔ کیوں جہاں شخصی حاجات کے قرضوں کا ذکر مقصود تھا وہاں قرآن کریم نے ربا کے مقابلے میں صدقہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

ارشاد باری ہے۔

یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات (۲/۲۷۶)

اللہ تعالیٰ سود کو ختم کرتا اور صدقات کی پرورش کرتا ہے۔

دوسری دلیل: قرآن کریم کے اس ارشاد

وان تبتم فلکم روس اموالکم (۲/۲۷)

پھر اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لئے تمہارے راس المال ہیں۔

کیونکہ راس المال (جس کے معنی سرمایہ ہے) کا اطلاق عموماً تجارت پر لگائی ہوئی رقم کے لئے ہوتا ہے۔

تیسری دلیل: قرض کے لئے عربی لغت میں دو الفاظ بنتے ہیں۔ قرض اور دین۔ قرض کا مفہوم عام ہے اور عام طور پر شخصی قرضوں کے لئے آتا ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے

اذا اقرض الرجل الرجل فلا یاخذ ہدیتہ (بخاری)

جب کوئی شخص کوئی دوسرے آدمی کو قرض دے تو پھر اس سے ہدیہ قبول نہ کرے۔

ارشاد باری ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ (۲/۲۸۲)

اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک مقررہ وقت کے لئے ادھار کا لین دین کو تو اسے لکھ لیا کرو۔

اور ربا کی تعریف "**الزیادۃ فی الدین**" سے کی جاتی ہے نہ کہ "**الزیادۃ فی القرض**" سے لہٰذا از روئے قرآن و لغت بھی تجارتی سود کو "ربا" سے خارج کرنے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔

۲۔ شرح سود میں کمی: تجارتی سود کی حمایت میں یہ دلیل کہ اس کی شرح نقصان کے احتمال کو مدنظر رکھ کر مناسب اور قابل برداشت مقرر کی جاتی ہے کئی لحاظ سے محل نظر ہے۔

اولا یہ کہ آج تک مناسب اور معقول شرح سود کا تعین نہیں ہو سکا۔ کبھی تو یہ شرح ۲ فیصد بھی نامناسب اور غیر معقول قرار دی جاتی ہے۔ جیسا کہ دوسری جنگ عظیم کے لگ بھگ زمانے ریزو بنک آف انڈیا ڈسکونٹ ریٹ مقرر ہوا اور یہی شرح دوران جنگ قائم رہی۔ پھر پونے تین فیصد پر حکومت ہند کو قرضے ملتے رہے اور کبھی یہ شرح ۲۹ فیصد بھی مناسب اور معقول سمجھ لی جاتی ہے۔ (اشتہار انوسٹمنٹ بنک نوائے وقت ۷۷ ۔ ۸ ۔ ۱۱) شرح سود کی مناسب تعین نہ ہو سکنے کی غالباً وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ہی متزلزل اور کمزور ہے۔ مناسب اور معقول شرح سود کی تعین تو صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو سکے کہ قرض لینے والا اس رقم سے کتنا یقینی فائدہ حاصل کرے گا۔ اور اس میں سے قرض دینے والے کا معقول حصہ کیا ہونا چاہئے۔ مگر ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ قرض لینے والے کو اس مقررہ مدت میں کتنا سود ادا کرنا ہو گا کچھ فائدہ ہو گا بھی یا نہیں؟ تو پھر معقول شرح سود کا تعین کیسے ممکن ہے۔ بلکہ اس سے بھی ذرا آگے بڑھیں اور شرح سود کے بجائے نفس سود اور اس کے جواز پر غور کریں کہ سود آخر کس چیز کا معاوضہ ہے۔ تو اس مسئلہ پر معیشت دانوں کے جتنے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ شاید ہی علم معاشیات کے دوسرے مسئلے پر پائے جاتے ہوں۔

ثانیاً یہ کہ ایک ہی ملک اور ایک ہی وقت میں بنکوں کی شرح سود میں انتہائی تفاوت پایا جاتا ہے۔ مثلاً آج کل پاکستان کے سٹیٹ بنک نے عام بنکوں کو قرض دینے کی شرح ۱۰ فیصد مقرر کر رکھی ہے۔ اب عام بنک کاروباری حضرات کو ۱۶ ٪ شرح پر قرض دیتے ہیں۔ جو سود در سود کے چکر میں ۱۷ فیصد سالانہ اور بعض حالتوں میں اس سے بھی زیادہ بن جاتی ہے۔ یہ مناسب شرح سود ہے۔ پھر حکومت خود عوام سے کاروبار کے لئے جو قرضے لیتی ہے تو یہ شرح سود دس سال کے قرض کے لئے ۲۹ فیصد ہے۔ اور رقم دس سال میں چار گنا ہو جاتی ہے۔ اب آپ خود اندازہ کیجئے کہ اگر یہ سب کچھ مناسب شرح ہے تو نامناسب کیا ہو سکتی ہے؟ اور اگر ایسے قرض لے کر تجارت کی جائے جہاں نقصان کے احتمال بھی موجود ہیں۔ تو گرانی اشیاء کا کیا عالم ہو گا۔

ثالثاً یہ بات قابل غور ہے۔ کہ اگر بالفرض شرح سود مناسب حد تک کم اور معقول ہو تو کیا حرمت سود پر اثر انداز ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟ اور حقیقتاً یہی اصل بحث ہے۔ تو ہمارے خیال میں شرح سود ایک فیصد ہو یا ۵۰ فیصد شریعت کی نگاہ میں ایک ہی جیسا جرم ہے۔ شراب ایک قطرہ بھی ویسے ہی حرام ہے۔ جیسے ایک چھلکتا جام۔ کیونکہ شریعت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ۔

> "حرام چیز کی قلیل ترین مقدار بھی ویسے ہی حرام ہے جیسے اس کی کثیر مقدار۔ لہٰذا شرح سود کی کمی یا معقولیت کی بنا پر سود کی اباحت کے لئے راستہ ہموار کرنا بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے"

۴۔ فریقین کی رضا مندی : فریقین کی رضا مندی کی شرط حلال چیزوں میں ہوا کرتی ہے جیسے تجارت یا نکاح وغیرہ۔ حرام چیزوں اور معاہدات میں فریقین کی رضا مندی کی شرط ہی سرے سے غلط اور باطل ہے۔ فریقین کی رضا مندی زنا یا جوئے کو جائز نہیں بنا سکتی۔ حالانکہ یہ دونوں کام بھی بسا اوقات باہمی رضا مندی ہی سے طے پاتے ہیں۔ پھر آخر سود جیسی حرام اور مکروہ چیز کو لوگوں کی مرضی یا فریقین کی رضا مندی پر کیسے چھوڑا جا سکتا ہے اسی طرح خواہ سود لینے والا شرح سود کا تعین کرے یا سود دینے والا اس سے بھی نفس سود کی حرمت میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ سود دینے والا کبھی سود دینے پر رضا مند نہیں ہوا کرتا۔ اس کی رضا مندی نہیں ہوتی بلکہ اضطرار ہوتا ہے اگر اسے کم شرح سود پر قرضہ مہیا ہو سکے یا کہیں سے قرض حسنہ ملنے کی توقع ہو تو وہ کبھی یہ سودی قرض لینے پر تیار نہ ہو گا۔ سودی معاہدات میں رضا مندی کا جتنا پہلو ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ درج ذیل تاریخ واقعہ سے بخوبی ہو سکے گا۔

دوسری جنگ عظیم کی بات ہے۔ کہ انگلستان نے امریکہ سے ایک بھاری قرض کا معاملہ کیا جو (Brittonwccgo Agreement) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ معاہدہ مشہور ماہر معاشیات برطانیہ لارڈ کینز (Keens) کی معرفت طے پایا تھا۔ انگلستان یہ چاہتا تھا کہ اس کا خوشحال دوست ملک امریکہ جو اس لڑائی میں اس کا رفیق تھا اسے بلا سود قرض دے دے۔ لیکن امریکہ سود چھوڑنے پر راضی نہ ہوا۔ انگلستان اپنی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہو گیا کہ سود دینا قبول کرے۔ اس کا جو اثر انگریز قوم پر مرتب ہوا وہ بھی سن لیجئے۔

لارڈ کینز جنہوں نے انگلستان کی طرف سے یہ معاہدہ کیا تھا' جب اپنے مشن کو پورا کر کے پلٹے تو انہوں نے برطانوی دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا "میں تمام عمر اس رنج کو نہ بھولوں گا جو مجھے اس بات سے ہوا کہ امریکہ نے ہم کو بلا سود قرض دینا گوارا نہ کیا"

مسٹر چرچل جیسے زبردست امریکہ پسند شخص نے کہا "یہ بنئے پن کا برتاؤ جو ہمارے ساتھ ہوا ہے۔ مجھے اس کی گہرائی میں خطرات نظر آتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمارے باہمی تعلقات پر بہت ہی برا اثر پڑا ہے"

اس وقت کے وزیر خزانہ ڈاکٹر ڈالٹن نے کہا کہ "یہ بھاری بوجھ جسے لادے ہوئے ہم جنگ سے نکل رہے ہیں ہماری ان قربانیوں اور جفا کشیوں کا بڑا ہی عجیب صلہ ہے جو ہم نے مشترک مقاصد کے لئے برداشت کیں"

اب بنک کے سود کی طرف آیئے اور غور فرمایئے کہ جو لوگ بنک سے سودی قرضے حاصل کرتے ہیں تو کیا انہیں باہمی رضا مندی کا نام دینا مناسب ہے' یا اضطراری معاہدے کا۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ایسے بیشتر معاہدے اسی اضطراری نوعیت کے قابل ہوتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو بنک میں سود کے لالچ سے روپیہ جمع کراتے ہیں۔ ان کی کیفیت اضطراری نہ سہی وہ تو سود کے معاشی اور معاشرتی نقصانات کو آگے منتقل کر دیتے ہیں۔

یہ تو خیر ایک ضمنی سی بحث تھی کہ سودی معاملات میں صرف رضا مندی کا نہیں بلکہ اضطرار کا پہلو بھی شامل ہے۔ تاہم اس پہلو کو نظر انداز کر کے اگر فریقین کی رضا مندی بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی سود کی حرمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

۵۔ ربا اور ظلم : تجارتی سود کی حمایت میں یہ دلیل بڑے شد و مد سے پیش کی جاتی ہے' کہ یہ معاہدات چونکہ نہایت معقول شرح پر باہمی رضا مندی سے طے پاتے ہیں اور اس میں کسی فریق پر ظلم بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا قرآن کریم کے الفاظ **لا تظلمون ولا تظلمون** کے مطابق یہ سود اس ربا میں کیسے آسکتا ہے۔ جس کی بنیاد ظلم پر ہوتی ہے۔ گویا حرمت سود کی علت ظلم سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ظلم سود کی حرمت کا بنیادی سبب نہیں ہے۔ آیت کے سیاق و سباق سے واضح ہے کہ یہ الفاظ سودی معاملات اور معاہدات کو ختم کرنے کی ایک احسن صورت پیش کرتے ہیں۔ یعنی نہ تو مقروض قرض خواہ کی اصل رقم بھی دبا کر اس پر ظلم کرے اور قرض خواہ مقروض کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اصل کے علاوہ اس پر سود کا بوجھ لادے۔ ان الفاظ کا اطلاق ہمارے ہاں اس وقت ہو گا۔ جب ہم معاشرہ سے سود کو ختم کریں گے۔

سود کی حرمت کا بنیادی سبب ظلم نہیں۔ بلکہ بیٹھے بٹھائے اپنے مال میں اضافہ کی وہ ہوس ہے جس سے ایک سرمایہ دار اپنی فاضل دولت میں ۔طے شدہ منافع کی ضمانت سے یقینی اضافہ چاہتا ہے۔ اور جس سے زرپرستی' تنگ دلی اور شقاوت جیسے اخلاق رذیلہ جنم لیتے ہیں۔ سود کے متعلق سب سے پہلی آیت جو مکی دور میں نازل ہوئی اس میں اس کے بنیادی سبب کی پوری وضاحت ملتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ۔ (۳۰ ۔ ۲۹)

اور جو رقم تم سود پر دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مال سے بڑھے تو یہ مال اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔

سرمایہ دار جب اپنی فاضل رقم سود کی راہ میں ڈال دیتا ہے۔ تو وہ رقم لوگوں کے گھروں میں پہنچ پہنچ کر ان کی دولت بھی سرمایہ وار کے ہاں پہنچا دیتی ہے سرمایہ دار اور ساہو کار پہلے سے زیادہ سرمایہ دار بن جاتے ہیں۔ اور نادار اور ضرورت مند لوگ غریب سے غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح دولت کی تقسیم کی ناہمواری بڑھ جاتی ہے۔ جو طبقاتی تقسیم معاشرہ کے بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ یہ چیز بالآخر معاشرے میں بگاڑ اور تباہی کا سبب بنے گی۔

اعلان

اہل حدیث یوتھ فورس پنجاب کے جنرل سیکرٹری جناب عبدالطیف کی اطلاع کے مطابق اہل حدیث یوتھ فورس خانیوال کے راہنما میاں عقیل الرحمٰن صاحب کے والد گرامی قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مرحوم صوم و صلوۃ کے پابند' متدین' مخیر اور مسلکی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین